Journal of World Religions and Interfaith
ISSN: 2958-9932 (Print), 2958-9940 (Online)
Vol. 4, Issue 1, Spring (January-June) 2025, PP. 140-164
HEC Recog. no. 2(27)HEC/R&ID/RJ/24/630, Date: 16/4/2025
HEC:https://www.hec.gov.pk/english/services/faculty/journals/Documents/List%20of%20national%20journals%20on%20web-1.pdf
Journal homepage: https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih
Issue: https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/issue/view/240
Link: https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/article/view/3907
Publisher: Department of World Religions and Interfaith Harmony, the Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

Title Contemporary Models of Governance Integrating Sharia and State: A Comparative Study

Author (s): **Fahmeeda Riaz / Umar Raheel**
Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad

Received on: 12 June, 2025
Accepted on: 15 June, 2025
Published on: 30 June, 2025

Citation: Riaz, F., & Umar Raheel. (2025). Contemporary Models of Governance Integrating Sharia and State: A Comparative Study. *Journal of World Religions and Interfaith Harmony*, *4*(1), 140–164. Retrieved from https://journals.iub.edu.pk/index.php/jwrih/article/view/3907

Publisher: The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan

Journal of World Religions and Interfaith Harmony by the Department of World Religions and Interfaith Harmony is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

معاصر دنیا میں شریعت و حکومت کے امتزاج پر مبنی حکمرانی کی صورتیں: تطبیقی مطالعہ

Contemporary Models of Governance Integrating Sharia and State: A Comparative Study

Fahmeeda Riaz
M.phil Research Scholar, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad, Pakistan.

Umar Raheel
Lecturer, Department of Islamic Studies, Riphah International University, Faisalabad, Pakistan. Email: umer.raheel@riphahfsd.edu.pk

Abstract

The article explores how Islamic governance integrates Shariah principles with state systems, beginning with historical examples from the leadership of Prophets Ibrahim (A.S.), Musa (A.S.), and Muhammad (PBUH). Each of these prophets demonstrated not only spiritual but also political leadership based on justice, monotheism, and divine law. Prophet Ibrahim's governance focused on truth, social reform, and submission to God's will. Prophet Musa's leadership involved confronting tyranny, implementing divine commandments, and establishing a consultative system of justice. Prophet Muhammad (PBUH) laid the foundation of an Islamic state in Medina through treaties, social harmony (Muakhaat), and the Constitution of Medina, promoting justice, tolerance, and unity. The article then reviews how modern Muslim countries apply Shariah today. In Pakistan, Islamic principles are constitutionally embedded, with institutions like the Federal Shariat Court and Islamic Ideology Council guiding law-making. Iran follows the theocratic model of Wilayat al-Faqih, while Saudi Arabia uses Hanbali jurisprudence as the foundation of governance. Other countries like Sudan, Malaysia, Afghanistan, and Brunei implement Shariah to varying degrees in legal and social matters. The article concludes by highlighting non-prophetic but Islamic leadership models (e.g., Khilafat), emphasizing justice, consultation, and moral integrity, drawing on the legacy of the Rightly Guided Caliphs and classical scholars like Al-Mawardi.

Keywords: *Islamic governance, Prophetic leadership, Constitution of Medina, Islamic state, Khilafat.*

انبیاء کرام علیہم السلام میں بعض ایسی عظیم المرتبت ہستیاں بھی شامل ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے صرف نبوت ہی نہیں، بلکہ نئی شریعت اور اس کی بنیاد پر ایک مکمل حکومتی نظام قائم کرنے کی ذمہ داری بھی سونپی۔ یہ حکمران رسولان الٰہی صرف دینی مصلح یاروحانی رہنمانہیں تھے، بلکہ وہ ایک مکمل اجتماعی نظم، عدالتی ڈھانچے، معاشرتی قوانین اور معاشی اصولوں کے بانی و نگران بھی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں بنی اسرائیل کو دی جانے والی شریعت، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خانہ کعبہ کو مرکز بنا کر قبائلی نظام کو وحدت دینا، اور خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کا مدینہ میں ریاست نبوی کا قیام، اس جامع طرز حکمرانی کی درخشاں مثالیں ہیں جس میں وحی، قانون، اور ریاست ایک ہی مرکز سے پھوٹتے ہیں۔ فصل ہذا میں:

1۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام

2۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام

3۔ حضرت محمد ﷺ

کے طرز حکمرانی کو بیان کیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طرز حکمرانی

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے جلیل القدر پیغمبر اور عظیم رہنما تھے، جن کی حکمرانی کا بنیادی اصول عدل، توحید اور اخلاقی رہنمائی تھا۔ ان کی زندگی کے واقعات اور فیصلے آج بھی قیادت کے شعبے میں مشعل راہ ہیں۔ ان کا طریقہ حکمرانی صرف اقتدار تک محدود نہیں تھا، بلکہ اس کا مقصد اللہ کی رضا اور انسانیت کی فلاح و بہبود تھا۔ ذیل میں ان کے طرز حکمرانی کی چند نمایاں مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

نمرود کے مقابلے میں حق کی گواہی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکمرانی کا ایک اہم پہلو حق گوئی اور بے خوفی تھا۔ جب نمرود، جو اپنے آپ کو خدا سمجھتا تھا، نے ابراہیم علیہ السلام سے بحث کی، تو انھوں نے دلائل کے ساتھ اس کے غلط عقیدے کو رد کیا۔ قرآن پاک میں اس واقعے کا ذکر ملتا ہے:

" أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهُ أَنْ أَتَاهُ اللهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ

الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ"[1]

"کیاتو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کی بابت جھگڑا کیا اس لیے کہ اللہ نے اسے سلطنت دی تھی، جب ابراھیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں، کہا ابراہیم نے بے الک اللہ سورج مشرق سے لاتا ہے تو اسے مغرب سے لے آ تب وہ کافر حیران رہ گیا، اور اللہ بے انصافوں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی حکمرانی کا بنیادی اصول حق بات کرنا اور مظالم حکمرانوں کے سامنے ڈٹ جاتا تھا۔

بتوں کو توڑنا: شرک کے خلاف عملی اقدام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم بت پرست تھی۔ انھوں نے اپنی قوم کو سمجھانے کے لیے صرف زبانی نصیحت ہی نہیں کی، بلکہ عملی اقدام بھی اٹھایا۔ ایک موقع پر جب لوگ جشن منانے باہر گئے، تو ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کے سوا تمام چھوٹے بتوں کو توڑ دیا اور کلہاڑی بڑے بت کے گلے میں ڈال دی۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا:

"قَالَ بَلْ فَعَلَه كَبِيرُهُمْ هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُوْنَ"[2]

"جگہ یہ بڑا بت کرے گا، اس سے پوچھو اگر یہ بول سکتا ہوا"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکمرانی میں عملی تبدیلی بھی شامل تھی۔ وہ صرف نظریاتی رہنما نہیں تھے، بلکہ انھوں نے غلط نظام کو چیلنج کرنے کی ہمت بھی دکھائی۔

قربانی کا واقعہ: اللہ کے حکم پر مکمل تابعداری

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے خواب میں حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کریں۔ یہ ایک بہت بڑا امتحان تھا، لیکن انھوں نے اللہ کی اطاعت کو اپنی ذاتی خواہشات پر ترجیح دی۔ جب انھوں نے اپنے بیٹے کو پیشانی کے

---

[1] البقرۃ:258

[2] الانبیاء:63

بل لٹادیا اور قربان کرنے لگے، تو اللہ نے ان کے ایمان کی آزمائش پوری کرلی اور ایک مینڈھے کو ان کے بدلے میں بھیج دیا۔[3]

یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکمرانی کا اہم اصول اللہ کی فرمانبرداری اور اعلیٰ اخلاقی اقدار تھا۔ وہ اپنے فیصلوں میں اللہ کے حکم کو سب سے بالا رکھتے تھے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر: اجتماعی فلاح کا تصور

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی، جو آج بھی مسلمانوں کا قبلہ اور مرکز اتحاد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حکمرانی کا ایک اہم مقصد معاشرتی اتحاد اور روحانی مرکزیت قائم کرتا تھا۔ انھوں نے دعا کی۔

"وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَل هذا بلدًا أمنا وارزق أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ أَمَنَ مِنْهُم بِالله وَالْيَوْمِ الآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأَمَتعُه قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ إِلَى عَذَابِ النار وبِئْسَ الْمَصِيرُ"[4]

"اور جب ابراھیم نے کہا اے میرے رب اسے امن کا شہر بنادے اور اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے رزق دے جو کوئی ان میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے، فرمایا اور جو کافر ہو گا سو اسے بھی تھوڑا سا فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے دوزخ کے عذاب میں دھکیل دوں گا، اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکمرانی صرف دنیاوی نہیں، بلکہ روحانی اور سماجی بہبود پر مبنی تھی۔

اپنی قوم کے لیے دعائیں، رحمت وہدایت کی خواہش

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے ہمیشہ ہدایت اور مغفرت کی دعا کی، چاہے وہ ان کے مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ جب انھیں اپنی قوم کی طرف سے تکلیفیں پہنچیں، تو انھوں نے بددعا کی بجائے کہا پروردگار! انھیں ہدایت دے، یہ نادان ہیں۔ یہ ان کی حکمرانی کا ایک اہم پہلو تھا کہ وہ دشمنوں کے لیے بھی رحمت چاہتے تھے۔

حضرت ابراہیم کا دعوتی انداز

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ صرف توحید کے علمبردار تھے بلکہ دعوت دین کا ایک منفرد اور مؤثر اسلوب بھی رکھتے تھے۔ ان کا دعوتی طریقہ کار آج بھی دعاۃ اور مصلحین کے لیے مشعل راہ ہے۔ ذیل میں ہم ان کے دعوتی اسلوب کی نمایاں

[3] الصافات:106۔107

[4] البقرة:126

خصوصیات اور واقعات کی روشنی میں اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں:

عقلی استدلال اور منطقی طریقہ کار

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو بت پرستی سے روکنے کے لیے عقلی دلائل کا سہارا لیا۔ قرآن پاک میں ان کے اس انداز کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ تمہارے یہ مورتیاں کیا ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو؟ انہوں نے کہا: ہم نے اپنے باپ دادا کو انہیں پوجتے پایا ہے۔ ابراہیم نے کہا: تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہو۔[5]

واقعہ: چاند، سورج اور ستاروں سے استدلال

قرآن میں ایک اور جگہ ارشاد ہے:

"فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْل رأى كوكبًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلمَّا أقل قال لا أحِبُّ الأفلين"[6]

"جب اس پر رات کی تاریخی چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا، کہا: یہ میرا رب ہے؟ پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا: میں اوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے عقیدے کو انہی کے طریقے سے غلط ثابت کیا کہ جو چیز تغیر پذیر ہو وہ معبود نہیں ہو سکتی۔

نرمی اور حکمت عملی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دعوتی انداز انتہائی حکمت آمیز تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کب سختی کرتی ہے اور کب نرمی سے کام لیتا ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"إن إِبْرَاهِيمَ الحَلِيمُ أَوَّاهُ مُنِيبٌ"[7]

"اور ابراہیم کا ذکر کرنا جو بڑے ہی نرم دل تھے۔"

بتوں کو توڑنے کی حکمت

---

[5] الانبیاء:52-54

[6] الانعام:76

[7] ہود:75

جب انہوں نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑا تو انہوں نے کلہاڑی بڑے بت کے گلے میں ڈال دی تا کہ لوگوں کو سوچنے کا موقع ملے۔ جب لوگوں نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے تو انہوں نے کہا بلکہ یہ بڑا بت کرے گا، اس سے پوچھو اگر یہ بول سکتا ہو۔[8] اس میں انہوں نے اپنی قوم کو خود سوچنے پر مجبور کیا کہ یہ بہت جنہیں وہ پوجتے ہیں وہ اپنی حفاظت بھی نہیں کر سکتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت کو قدر سنگی انداز میں پیش کیا۔ پہلے ستاروں، چاند اور سورج کی مثال دے کر ان کے عقیدے کی غلطی واضح کی، پھر توحید خالص کی دعوت دی۔

حضرت ابراہیم کا طرز انصاف

آپ نہ صرف توحید کے علمبردار تھے بلکہ عدل و انصاف کے بھی پیکر تھے۔ ان کی سیرت طیبہ میں انصاف کے ایسے شاندار نمونے ملتے ہیں جو آج بھی قاضیوں، حکمرانوں اور عام افراد کے لیے مشعل راہ ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک عدل کا اولین اصول یہ تھا کہ تمام فیصلے اللہ کے قانون کے مطابق ہوں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ"[9]

"اے میرے رب! مجھے قوت فیصلہ عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں ملا دے۔"

یعنی اے میرے رب مجھے علم کثیر عطا کر جس کے ذریعے سے میں تیرے احکام اور حلال و حرام کی معرفت حاصل کروں، پھر اس علم کے مطابق مخلوق کے درمیان فیصلے کروں۔[10]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رشتہ داری کو انصاف پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ جب ان کے باپ آزر نے شرک پر اصرار کیا تو انہوں نے واضح طور پر کہہ دیا کہ کیا آپ اتوں کو معبود بناتے ہیں؟ میں تو آپ کو اور آپ کی قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔[11]

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اپنی بیوی ہاجرہ اور شیر خوار بچے اسماعیل کو ویرانے میں چھوڑ آئیں تو

---

[8] الانبیاء:63

[9] الشعراء:83

[10] بھٹوی، عبد السلام، مولانا، تفسیر القرآن الکریم، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2015ء، ج4، ص49-50

[11] الانعام:74

انہوں نے بلاتر دو اللہ کے حکم کو ترجیح دی۔ یہ اللہ کے نظام انصاف کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی اعلیٰ مثال تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے معاشرے میں پائے جانے والے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی۔ بت پرستی کے خلاف ان کی جدوجہد درحقیقت معاشرتی انصاف کی بحالی کی کوشش تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرز حکمرانی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی رہنمائی کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ ان کی حکمرانی عدل شجاعت اور حکمت کی روشن مثال ہے۔ انہوں نے نہ صرف فرعون جیسے ظالم حکمران کا مقابلہ کیا جبکہ اپنی قوم کو نظام عدل اور قانون کی پابندی کی تربیت بھی دی۔ ذیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طرز حکمرانی کو بیان کیا گیا ہے:

ظالم حکمران کے خلاف بے خوفی سے کھڑا ہونا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکمرانی کا پہلا اصول ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا تھا۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"إِذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى"[12]

"اور فرعون کے پاس جاؤ، بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے۔"

جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس گئے تو انہوں نے بے خوفی سے کہا:

"فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فقُولا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيل"[13]

"سو فرعون کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم پروردگار عالم کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ یہ کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔"

یہ جرات مندانہ رویہ ایک مثالی حکمران کی پہچان ہے جو ظلم کے خلاف کھڑا ہوتا ہے۔

قوم کی تربیت اور نظم وضبط قائم کرنا

بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں منظم کیا اور اللہ کے قوانین کی پابندی سکھائی۔ اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دس احکامات عطا فرمائے:

1۔ خداوند نے یہ سب باتیں فرمائیں کہ: خداوند تیرا خدا جو تجھے ملک مصر کی غلامی سے نکال لایا، میں ہوں۔

[12] طٰہٰ:24

[13] الشعراء:16۔17

میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا۔

2۔ تو کسی بھی قلے کی صورت پر خواہد وا وپر آسمان میں یا نیچے زمین پر پا نیچے پانیوں میں ہو، کوئی بت نہ بنانا۔

3۔ تو ان کے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ ان کی عبادت کرنا۔ کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور ہوں۔

4۔ تو خداوند اپنے خدا کا نام بری نیت سے نہ لینا کیونکہ جو کوئی اس کا نام بری نیت سے لے گا تو خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔

5۔ سبت کے دن کو یاد سے پاک رکھنا۔ چھ دن تک تو محنت سے اپنا سارا کام کاج کرنا۔ لیکن ساتوں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے۔ اس دن نہ تو کوئی کام کرنا نہ تیر اپنا یا ہیں نہ حیران کر یا تو کرانی نہ تیرے چوپائے اور نہ کوئی مسافر جو تیرے یہاں مقیم ہو۔ کیونکہ چھ دن میں خداوند نے آسمانوں کو، زمین کو، سمندر کو اور جو کچھ ان میں ہے، وہ سب بنایا۔ لیکن ساتویں دن آرام کیا اس لیے خداوند نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدس نظر آیا۔

6۔ اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا تا کہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے، دراز ہو۔

7۔ تو خون نہ کرتا۔

8۔ تو زنانہ کرنا۔

9۔ تو چوری نہ کرنا۔

10۔ تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔ تو اپنے پڑوسی کے گھر کالا ہی نہ کرنا۔ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اس کے نظام یا اُس کی کنیز کا منہ اُس کے تیل یا گدھے گا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا۔[14]

یہ احکامات در حقیقت ایک منظم معاشرے کی بنیاد تھے۔

مشاورت اور جماعتی انتظام

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے معاملات چلانے کے لیے مشاورتی نظام قائم کیا۔ قرآن میں ہے کہ اور موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کو ہمارے مقرر کردہ وقت پر منتخب کیا۔[15]

خطاء پر معافی مانگنے کا حوصلہ

---

[14] خروج 20:2۔17

[15] الاعراف:155

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب ایک قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے فوراً توبہ کی اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، تو مجھے بخش دے۔[16]

قوم کی غلطیوں پر صبر کرنا

بنی اسرائیل نے بار بار نافرمانیاں کیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صبر کا مظاہرہ کیا۔ جب انہوں نے چھڑے کی پوجا کی تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے اپنے اوپر ظلم کیا جب تم نے چھڑے کو معبود بنالیا۔[17]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرز انصاف

حضرت موسی علیہ السلام کو اللہ تعالی نے نہ صرف نبوت عطا فرمائی تھی بلکہ بنی اسرائیل کے قائد اور منصف بھی بنایا تھا۔ ان کا طرز انصاف آج بھی عدالتی نظام کے لیے ایک مثالی نمونہ ہے۔ قرآن پاک اور تورات میں ان کے فیصلوں اور انصاف پسندی کے متعدد واقعات موجود ہیں جو ہمیں ایک عادل معاشرے کی تشکیل کا طریقہ سکھاتے ہیں۔

انصاف کی بنیاد: اللہ کے قانون کی بالادستی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تمام فیصلوں کی بنیاد اللہ کے نازل کردہ قوانین تھے۔ تورات میں مذکور ہے:

"تم انصاف کرتے وقت حق سے انحراف نہ کرنا"[18]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کبھی کسی کے عہدے یا رتبے کو انصاف پر حاوی نہیں ہونے دیا۔

جب ایک قبطی نے اسرائیلی پر ظلم کیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلا خوف وخطر اس کے خلاف کاروائی کی۔[19]

رشتہ داری انصاف میں رکاوٹ نہیں

قرآن پاک میں اس واقعے کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہی قبیلے کے شخص کو ٹوکا تو اس نے کہا: اے موسیٰ کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو جیسا کہ کل ایک شخص کو محمل کیا تھا؟۔[20]

---

[16] القصص:16

[17] البقرۃ:54

[18] استثنا19:16

[19] القصص:25

[20] القصص:19

فوری انصاف کا نظام

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں فوری انصاف کا نظام قائم کیا۔ تورات میں ہے کہ تمہارے دروازوں میں انصاف کرو[21]

حضرت محمد ﷺ کا طرز حکمرانی

نبی کریم ﷺ کی اصل حیثیت تو اللہ کے رسول ﷺ ہونے کی ہے۔ اور آپ کے طرز عمل میں سب سے گہرا رنگ وحی کی صورت میں اللہ سے رہنمائی لینے اور اس کو عمل میں لانے کا ہے۔ اس اعتبار سے جب مسلمان نبی اکرم ﷺ کے مختلف کرداروں کا جائزہ لیتے ہیں تو اس بنیادی حقیقت پر ایمان رکھنے کی وجہ سے ہر معاملے کو اللہ کی طرف سے ہدایت کے سپرد کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور ان زمینی حقائق کی جستجو میں نہیں پڑتے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے طور پر تمام امور دنیامیں جاری کر رکھی ہے۔ کہ وہ ہر کام کی تشکیل عموماواقعاتی بنیادوں اور وسیلوں کے ذریعے ہی کرتا ہے۔

ایمان و اعتقاد کے لیے تو اسی رویہ کی ضرورت ہے لیکن اگر حیات مبارکہ سے اس دور کے واقعات کی درست انجام دہی کے واقعاتی حقائق بھی تلاش کر لیے جائیں تو اس طرح آپ کے طرز عمل کی تشریح مزید آسان اور اس کی افادیت دوچند ہو جاتی ہے۔ ہمارااعتقاد ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا اسوہ مبارکہ آپ کی ہر حیثیت (قاضی، حاکم، سپہ سالار وغیرہ) میں مسلمانوں کے لیے راہ ہدایت اور ذریعہ نجات ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی ذات میں ایک حاکم و فرمانروار سیاست دان اور عظیم مدبر و منتظم سب کی خصوصیات بدرجہ اتم موجود تھیں۔ قرآن کریم کی متعدد آیات اس مضمون کو بیان کرتی ہیں کہ آپ اللہ کی جانب سے مقرر کر دی حاکم ہیں اور یہ منصب آپ کو بحیثیت رسول اللہ ﷺ عطاہوا ہے۔ ایسا قطعا نہیں ہے کہ آپ ریاست قائم کر کے اس کے حاکم و مدیر اور منتظم از خود بن بیٹھے ہوں یا لوگوں نے منتخب کر کے آپ کو اپنا فرمانروا بنادیا ہو۔

آپ ﷺ کی فرمانروائی رسالت سے ہٹ کر کوئی علیحدہ شے نہیں ہے۔ اور بطور حاکم آپ کی اطاعت بھی عین اللہ کی اطاعت ہے۔ آپ کی بیعت سے منحرف ہونا دراصل اللہ کی حاکمیت کا انکار کرتا ہے۔ یہ بات بھی آپ نے ہی ہمیں بتائی ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے ہٹ کر کوئی اطاعت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کے حکم اور اس کی ہدایات کے تابع ہی ہے۔ رسول جو منصب رسالت کا امین ہوتا ہے۔ اپنی اطاعت کروانے نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کا مکمل پیغام پہنچانے کا مشن لے کر اللہ

[21] استثنا16:18

کی طرف سے آتا ہے۔ قرآن پاک کی اس آیت میں آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم موجود ہے:

"وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّه"[22]

"ہم نے ہر رسول کر صرف اس لیے بھیجا کہ اللہ کے حکم سی اس کی فرمانبر داری کی جائے۔"

پھر اطاعت کا ذکر کیا:

"من يُطِعِ الرَّسُول فقد أطاع الله"[23]

"جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے گویا اللہ کی فرمانبر داری کی"

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کو اللہ نے اپنی بیعت قرار دیا ہے:

"إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ الله"[24]

"اے نبی ﷺ ابلا شبہ جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں، وہ اللہ سے بیعت کر رہے ہیں؟"

قرآن کریم میں ایک جگہ بطور قاضی وحاکم نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کی اس طرح اہمیت بیان کی گئ:

"وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخَيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا"[25]

"کسی مومن مرد و عورت کے لیے یہ بات جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی معاملے میں فیصلہ فرمادیں دیں تو اس کو اپنے کی امر میں اختیار باقی رہ جائے۔ اللہ اور اس کے رسول کی جو بھی نافرمانی کرے ،وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کی مخالفت کو اپنے اعمال کو برباد کرنے کے مترادف بنایا ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ"[26]

"اے ایمان والو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو"

---

[22] النساء:64

[23] ایضاً:80

[24] الفتح:10

[25] الاحزاب:36

[26] محمد:33

قرآن پاک کے ان تمام ارشادات سے منصب رسالت کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ یہی قرآن کی بیان کردہ خصوصیات وحیثیتیں ہیں جن کے پیش نظر صحابہ رضوان اللہ عنہم اجمعین نے آپ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ محفوظ کیا۔ قرآن پاک نے حضور اکرم ﷺ کی ذات کو منبع شریعت کی حیثیت سے پیش کر کے بتلایا ہے کہ محمد ﷺ کے تمام مناصب رسالت سے ہی جڑے ہوئے ہیں اور ان کو آپس میں جدا نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کی ذات قرآن کے ساتھ دوسرا مصدر قانون ہے جہاں سے احکام شریعت ہمیں معلوم ہوتے ہیں۔ بحیثیت سیاستدان وحکمران بھی آپ کی سب سے بڑی خوبی ونشانی ہے۔[27]

نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں آن کر رسالت کے ساتھ فرمانروا اور حکمران کی حثیت سے مدنی زندگی کا آغاز کیا کیونکہ مکہ میں آپ ﷺ کی حیثیت حکمران کی سی نہ تھی اور نہ اقتدار وہاں آپ کے پاس تھا۔ آپ نے اللہ کی ہدایات کی روشنی میں اپنے حسن وتدبر اور حسن انتظام سے مدینہ میں مثالی سلطنت اور ایسامثالی معاشرہ کی سیاست میں حکمت اور دوراندیشی نمایاں تھی۔ آپ ﷺ مذہب کے ساتھ ساتھ ریاست کے بھی سربراہ تھے۔ اس لحاظ سے آپ کی اکیلی شخصیت میں دینی ودنیاوی ہر دو قسم کا اقتدار جمع تھا۔ لیکن نہ تو آپ ﷺ کو پوپ (عیسائیوں کا سب سے بڑا رہنما) کا سا جھوٹا غرور تھا اور نہ ہی قیصر کی طرح کوئی فوج آپ ﷺ کے پاس تھی۔[28]

نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی عظیم مدبر ومنتظم بھی تھی اور آپ کی مکی زندگی میں قبل از نبوت دو واقعات آپ کی سیاست اور اجتماعی شعور و تدبیر کی بہترین مثال ہیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ تو حلف الفضول کا ہے جس کے متعلق نبی کریم ﷺ فخریہ یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ میں اس معاہدے میں شریک تھا۔[29]

رسول اللہ ﷺ کے سیاسی تدبر کی دوسری شہادت حجر اسود کے نصب کرنے کا واقعہ ہے۔[30] جب سب نے اس کو نصب کرنے میں اپنا اپنا حق تفوق پیش کیا تھا۔ اس وقت اختلاف ومنافرت کے جو آگ کتنے ہی خرمنوں کو خاکستر کرنے والی

[27] خالد علوی، ڈاکٹر، حفاظت حدیث، مکتبہ العلم، فیصل آباد، 2014ء، ص50

[28] خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2008ء، ص360

[29] ابن سعد، محمد بن سعد، طبقات الکبریٰ، دارالصادر، بیروت، 2000ء، ج1، ص128

[30] ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، ج1، ص209

تھی وہ آپ ﷺ کے تدبر سے بجھ گئی اور اہل مکہ پر آپ کی عظمت کے ساتھ ساتھ آپ کی فراست بھی واضح ہو گئی۔[31] (محمد علی کرد آپ ﷺ کے تدبر اور سیاسی بصیرت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ نبوت سے پہلے ہی وہ (اہل مکہ) آپ ﷺ کو الامین کہہ کر پکارتے تھے کیونکہ انہوں نے آپ کی امانت و مروت کو اور آپ ﷺ کی صداقت اور آپ ﷺ کے حسن معاملت کو دیکھا اور مبعوث ہونے سے پہلے اکثر اوقات آپ اپنی حکمت سے ان کے پیچیدہ مسائل کا صحیح حل فرما دیا کرتے تھے۔ آپ حلف الفضول میں بھی حاضر تھے جب تمام قبائل آپ کے فیصلے پر ہنسی خوشی راضی ہو گئے۔ وہ اپنے فعل پر خود حیران تھے کہ انہوں نے عمر میں اپنے سے چھوٹے اور مال میں اپنے سے کمتر کی اطاعت کی۔ اس طرح ان سب نے تب ہی آپ کو خود پر حاکم در کمیں تسلیم کر لیا تھا۔[32]

اعلان نبوت کے ساتھ ہی آپ ﷺ کی حیثیت قائد تحریک کی ہو گئی۔ جس پر مخالفتوں کے طوفان اٹھے اور مصائب آلام کے پہاڑ ٹوٹے۔ معاشرتی مقاطعہ ہوا، اور رفقاء کے لیے عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ لیکن آپ نے کاروان شوق کو اپنی پیغمبرانہ بصیرت و تدبر اور تائید ایزدی کے ذریعے بچا لیا۔ اگر آپ کی سیاسی پالیسی و فراست میں ذرہ بھر کمی ہوتی تو مکہ میں تصادم ہو جاتا اور مٹھی بھر مسلمان ختم ہو جاتے۔[33]

آپ ﷺ نے انتہائی حکمت سے نامساعد حالات میں اپنی دعوت کو وسعت دی اور تدبر سے قریش کی ہر تدبیر اور رکاوٹ کو ناکام بنا دیا۔ آپ کے سیاسی تدبر میں تائید الٰہی کا عنصر حاوی ہوتا۔ اسلام کی دعوت کو پھیلانے میں، مختلف قبائل تک جانے اور عمومی انداز تخاطب اختیار کرنے کے تمام پہلو آپ کی فراست کی بین دلیل ہیں۔ وحی الٰہی کی ہدایت اور پیغمبرانہ بصیرت اپنا کام مسلسل سر انجام دیتی رہی۔ سیاسی نقطہ نظر سے جب آپ نے یہ دیکھا کہ مکہ تحریک کے لیے اچھا مرکز نہیں ہو سکتا تو آپ نے گرد و پیش پر نگاہ دوڑائی اور مکہ۔ اور مکہ سے باہر اپنی مرکزیت و اجتماعیت اور مسلمانوں کی سیاسی حیثیت کے لیے پہلے حبشہ کی جانب اور پھر خود مدینہ کی جانب ہجرت کی اور مکی دور میں اہل یثرب کی بعیتیں بھی اسی سیاسی پالیسی کے زمرے میں آتی ہیں۔[34]

[31] محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، نگارشات پبلشرز، جہلم، 2015ء، ص216

[32] محمد علی کرد، السلام والحضارۃ العربیہ، دارالسلام، الریاض، 2016ء، ص332

[33] ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، ج1، ص310-339

[34] ابن سعد، محمد بن سعد، طبقات الکبریٰ، ج1، ص203-207

آپ کی ہجرت دور رس سیاسی اثرات کی حامل رہی۔ آپ ﷺ کی صبر واستقامت کی پالیسی اور اپنی قوت کو ایک مرکز پر مجتمع کرنااور کفار کے لیے ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ آپے سے باہر ہو کر جارحیت کی روش اختیار کریں، آپ کے سیاسی تدبر کی بہترین مثالیں ہیں۔

مواخات مدینہ

بحیثیت سیاستدان آپ ﷺ کے تدبر و فراست کی عملی آزمائش مدینہ میں پیش آئی کہ آپ نے انتہائی مشکل حالات میں اپنی خداداد بصیرت سے سلامتی کی راہیں نکال لیں۔ مدینہ میں آپ نے شہریت کی کامل تنظیم کا آغاز کیا جس میں آپ کو منتظم ریاست کا درجہ حاصل ہو گیا۔ مستحکم معاشرت اور پر سکون اجتماعیت کے لیے آپ نے شاندار اقدامات کیے۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں قیام کے ساتھ ہی ایسے اقدامات کئے جن سے آپ کی سیاسی حیثیت ابھر کر سامنے آگئی۔[35] لیکن آپ ﷺ کے تمام اقدامات کا واحد منشایہ تھا کہ اصل حکومت اور راج اللہ کا ہی ہو۔[36]

اس کے بعد دوسرا مسئلہ مسلمانوں کی آبادکاری کا تھا۔ مدینہ میں مسلمانوں کی عددی اکثریت تھی اور انصار مدینہ کا پاک مضبوط گروہ تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ آنے والے مہاجر مسلمانوں میں اور انصار میں ہم آہنگی یکجہتی اور استحکام کا بڑامسئلہ آپ نے اپنی سیاسی حکمت عملی سے طے کیا اور مسلم معاشرت کی بنیاد اس مواخات کے اصول پر مضبوط کر دی جو انصار و مہاجرین کے مابین طے کی گئی تھی۔[37] یہ آپ ﷺ کی حکمت کی سب سے اہم مثال ہے۔ جس سے مسلم معاشرے میں استحکام ہوااور اسے جارحیت کے خلاف مجتمع ہو کر لڑنے میں مدد دی۔ بحیثیت حکمران آپ کی فکر بے مثال تھی۔ جسے آپ نے ایک نئی فکر کی طرح اس وقت نظری اور دور اندیشی کے بعد قائم کیا کہ ارباب دانش کو آپ ﷺ کی اصابت فکر کے سامنے سر جھکائے بناچارہ نہ رہا۔ مدینہ میں قائم ہونے والے اس جدید مستقر کو آپ نے ایسی وحدیث میں منسلک کر دیا جو آج تک عرب کے وہم و خیال میں بھی نہ آسکتی تھی۔[38]

مواخات مدینہ سے رسول ﷺ کو کافی اطمینان حاصل ہو گیا۔ کیونکہ مدینہ کے منافقین اوس خزرج قبائل میں

---

[35] خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، ص366

[36] حمید اللہ صدیقی، ڈاکٹر، عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، 2020ء، ص295

[37] ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج1، ص239

[38] محمد حسین ہیکل، حیات محمد ﷺ، ص481

پھوٹ ڈالنے کے لیے تدابیر کر رہے تھے۔ اسی طرح مدینہ میں منافقوں نے مہاجر و انصار کے مابین اختلاف و منافرت پھیلانے کی مہم بھی شروع کر رکھی تھی مگر معاہدہ مواخات نے ان کی چالیں ختم کر دیں۔[39] ان حالات میں اس معاہدہ مواخات کی حکمت اور سیاست کی اہمیت تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ مسلمانوں کے درمیان منافق عبد اللہ بن ابی کی وجہ سے اختلاف پھیلایا جارہا تھا کہ وہ آپ ﷺ کی آمد کے وقت بادشاہ بننے والا تھا۔ آپ ﷺ کی فراست و سیاست ہی تھی جس نے منافقین و یہود کی تمام ریشہ دوانیوں کے خلاف مسلمانوں کو سیسہ پلائی دیوار بنادیا۔[40]

میثاق مدینہ

نبی کریم ﷺ کی سیاسی پالیسی کی دوسری اہم مثال میثاق مدینہ ہے۔ مواخات میں آپ ﷺ نے اہالیان مدینہ کو مستحکم کیا۔ اب اہل مدینہ کو بیرونی خطرات سے بچانے کے لیے مسلم اور غیر مسلم کو خاص نکتے پر جمع کیا کیونکہ یہ اس وقت کی شدید ضرورت تھی کہ اہل مدینہ خواہ مسلم ہوں یا یہود، متفق ہوں۔ اور ان کے باہمی اختلافات کو ہوا نہ ملے۔ اور بیرون مدینہ کے لوگ بھی مدینہ پر حملہ کرنے کی جراءت نہ کریں۔ آپ ﷺ کے سیاسی تدبر سے مدینہ کو حفاظت و سکون کے حالات میسر آئے۔[41]

نبی کریم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو مدینہ میں مرکزی نظام نہ تھا اور آپ ﷺ کی اس وقت متعدد فوری سیاسی ضرورتیں حسب ذیل تھیں:

1۔ اپنے اور مقامی باشندوں کے حقوق و فرائض کا تعین
2۔ مہاجرین مکہ کے توطن اور گزر بسر کا انتظام
3۔ شہر کے غیر مسلم عربوں اور خاص کر یہودیوں سے سمجھوتہ
4۔ شہر کی سیاسی تنظیم و فوجی مداخلت کا اہتمام
5۔ قریش مکہ سے مہاجرین کو پہنچائے گئے جانی و مالی نقصانات کا بدلہ[42]

---

[39] ایضاً، ص484

[40] ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، ج2، ص232

[41] ایضاً، ص148

[42] حمید اللہ صدیقی، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص82

انہی اغراض و مقاصد کے لیے نبی کریم ﷺ نے مدینہ آنے کے چند ماہ بعد ہی ایک دستاویز مرتب فرمائی جس کا مقصد شہر مدینہ کو پہلی دفعہ شہری مملکت، قرار دینااور اس کا انتظام و دستور مرتب کرنا تھا۔[43]

اس دستاویز کے ذریعے جسے ڈاکٹر حمید اللہ فرض اور حکم قرار دیتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے مدینہ کی شہری ریاست کو ایک مقام نظم سیاست دیا اور اس کے لیے خارجی مسائل سے نبٹنے کے لیے بنیاد قائم کی۔ اور اس سے آپ ﷺ کو ایک منتظم اعلیٰ اور سیاست دان وحکمران کی حیثیت ملی جو آپ کی زبردست کامیابی تھی۔ بقول محمد حسین ہیکل کہ یہ تحریری معاہدہ ہے جس کی رو سے حضرت محمد ﷺ نے آج سے تیرہ سو سال قبل ایک باضابطہ انسانی معاشرہ قائم کیا جس سے شرکائے معاہدہ میں سے ہر گروہ اور فرد کو اپنے اپنے عقیدے کی آزادی کا حق حاصل ہوا۔ انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کو تحفظ کی ضمانت مل گئی، ارتکاب جرم پر گرفت اور مواخذہ نے دباؤ ڈالا اور معاہدین کی یہ بستی (مدینہ) اس میں رہنے والوں کے لیے امن گہوارہ بن گئی۔ غور فرمایئے کہ سیاسی اور مذہبی زندگی کو ارتقاء کا کتنا بلند مرتبہ حاصل ہوا۔ کہ جہاں سیاست اور مدنیت پر دست استبداد مسلط تھا اور دنیا فساد و ظلم کا معمل بنی ہوئی تھی وہاں باہم شیر وشکر اور ایک دوسرے کے ہمدرد و معاون بن گئے۔

یہ تاریخی معاہدہ تھا جو اپنے نتائج کے اعتبار سے بجائے خود فتح عظیم کی حیثیت رکھتا تھا اور جس تک قریش کو لانے اور اس سلسلے کے جملہ پر پیچ مراحل کو طے کرنے میں حضور ﷺ نے ایسی سیاسی حکمت اور قائدانہ بصیرت کا مظاہرہ کیا۔ جس سے بعد والوں کو تاقیامت رہنمائی ملتی رہے گی۔ یہ مصلحت حضور ﷺ کی سیاست کا ایک بے مثل شاہ شاہکار کارہے۔2

میثاق مدینہ کو حکمت سے لاگو کرنے سے نبی کریم ﷺ نے اسلامی سیاست کی بنیاد مضبوط کی۔ آپ کے پیش نظر اب صالح معاشرے کا قیام اور دینی حکومت قائم کرنا تھا۔ جس کا مقصد دعوت دین اصلاح اخلاق اور تذکیہ نفس تھا اور قرآن نے بھی اسلامی ریاست کا یہی مقصد بیان کیا ہے:

> "الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ"[44]
>
> "یہ لوگ، اگر ہم انہیں زمین میں اقتدار عطا کریں تو یہ نماز قائم کریں اور زکواۃ کریں گے نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے اور سب کاموں کا انجام کار اللہ کی طرف ہی ہے۔"

---

[43] ابن سعد، طبقات الکبریٰ، ج2، ص29

[44] الحج:41

یہ آیت نبی کریم ﷺ کی سیاست کی حکمت اور حکومت کے طریق کار کو متعین کرتی ہے۔ آپ کی قائم کردہ حکومت عصبیت و نسلی شعور کی جگہ دینی وحدت کی بنیاد پر قائم تھی جو منفرد پر حکمت ریاست تھی۔ منتظم سیاست و ریاست کے طور پر آپ ﷺ کے کارناموں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ امور داخلہ

2۔ امور خارجہ[45]

امور داخلہ

امور داخلہ میں آپ ﷺ نے خصوصی توجہ امن، استحکام اور اخلاقی تربیت کی طرف رکھی اور ان امور کو جس سلیقے سے ملحوظ خاطر رکھا، وہ سیاسی تدبر و فراست کا بین ثبوت ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی میں سب سے زیادہ اہمیت اشاعت اسلام کو حاصل تھی۔ آپ نے مدینہ میں تعلیم کے مراکز قائم کیے۔ مختلف علاقوں میں تربیت یافتہ معلم بھیجے۔ علوم دینیہ کو فروغ دیا اور جن علاقوں کو فتح کیا، وہاں لوٹ مار اور قتل و غارت کی بجائے امن و آشتی کے اصولوں کو پیش نظر رکھا تاکہ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کا مبارک مشن آگے بڑھ سکے۔ فتح مکہ پر آپ ﷺ نے جس صبر و تحمل سے کام لیا، وہ اسی اشاعت اسلام کے جذبے کا اثر تھا۔[46] اسی طرف طائف کے مقام پر جو مصائب برداشت کئے اور ان ظلم توڑنے والوں کے لیے جو دعاء رحمت کی وہ اسی مشن کی تکمیل تھی۔[47]

اس کے بعد بطور حکمران و سیاستدان اگلا مرحلہ شہری ریاست کو اندرونی خلفشار سے بچانے اور اسے استحکام بخشنے کا تھا۔ جس میں نبی کریم ﷺ نے مواخات کے علاوہ میثاق مدینہ اور دوسرے قبائل سے معاہدے کیے جس سے مخالفتوں میں کمی آئی۔ ان معاہدوں کی حکمت یہ بھی تھی کہ جو شخص، قبیلہ یا گروہ اور خاندان مسلمان ہو وہ مدینہ یا مضافات مدینہ میں آبسے تاکہ آبادی بڑھنے سے فوجی وسیاسی حالات محفوظ ہوں۔[48]

نبی کریم ﷺ کی داخلی سیاست کا ایک اہم جزو احترام انسانیت تھا۔ آپ نے کشت و خون سے گریز کی پالیسی پر عمل

45 حامد الانصاری، مولانا، مسلمانوں کا نظام حکومت، قدیمی کتب خانہ، کراچی، س ن، ص81

46 ابن ہشام، سیرت النبی ﷺ، ج4، ص55

47 ایضاً، ج2، ص378

48 خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، ص378

کیا۔ اگرچہ آپ نے دفاع اور اسلام کی بلندی کے لیے جنگیں کیں لیکن ان کی نوعیت مختلف تھی۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ کہ عہد نبوی ﷺ میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا جس کی آبادی یقیناً کئی لاکھ تھی۔ اس طرح روزانہ تقریباً 274 مربع میل کے اوسط سے فتوحات ہوئی جن میں ایک دشمن ماہانہ قتل ہوا۔ یہ اس حکمت کا اصول ہے جو آپ ﷺ کے پیش نظر انسانی خون کے احترام کی تھی۔

نبی کریم ﷺ کی داخلی سیاست کا ایک قابل ذکر پہلو معاشرتی تطہیر تھی کہ مدینہ کو آپ نے مفسد اور بگاڑ پیدا کرنے والے عناصر سے پاک کیا۔

آنحضور ﷺ کے کاموں میں دینی و دنیاوی ہر دو رخ موجود تھے۔ آپ کی حکومت اور آپ کی سیاست کلی طور پر دینی اثرات ورجحانات کے تابع تھی۔

نبی ﷺ کی وزارت بھی حکمت سے پر تھی اور حکومت بھی۔ آپ نے ملکی تقسیم بھی کی اور وزارتی بھی۔ افسروں کو بھی منتخب کیا جن کو تنخواہ جاتیں اور ان کا احتساب بھی کیا۔

نبی کریم ﷺ نے پولیس کو بھی منظم کیا اور بطور سیاست دان آپ کا مرکز حکومت مسجد نبوی ﷺ تھی۔ آپ تمام وفود قبائل سے یہیں ملاقات فرماتے۔ گورنروں اور عمائدین حکومت کو ہدایات مسجد نبوی ﷺ سے روانہ کی جاتیں۔ دین و دنیاوی معاملات طے کئے جاتے۔ ہر قسم کی سیاسی و مذہبی تقاریر کا انعقاد مسجد نبوی ﷺ میں ہی ہوتا۔

امور خارجہ

بطور حکمران و سیاست دان سب سے پہلے امور داخلہ میں ریاست کے استحکام کا بندوبست کیا۔ آپ نے وہ تمام طریقے اپنائے جن سے استحکام ملت ممکن تھا۔ پھر اس کے بعد آپ نے سیاسی حکمت عملی سے دشمن کی قوت کو توڑا۔ اس سلسلے میں آپ نے پہلی تدبیر یہ کہ کہ مشرکین پر آپ نے معاشی دباؤ ڈالا اسی طرح اہل مکہ کے حلیفوں سے تعلقات استوار کیے۔ آپ کے مختلف م معاہدوں پر نظر ڈالی جائے تو آپ کی سیاست کا یہ اصول بڑا موثر ہے۔ بیعت عقبہ میں مدینہ والے دراصل قریش سے صلح کے لیے آئے تھے۔ میثاق مدینہ میں بھی یہی جذبہ کا فرما تھا جو آپ کی سیاست خارجہ کا شاہکار ہے۔[49]

نبی کریم ﷺ کی سیاست کا اہم شاہکار اس کے بعد صلح حدیبیہ ہے۔ جب مسلمانوں کو دو خطرے تھے۔ آپ نے مکہ کی طرف سے جنگ کو اس صلح کے ذریعے بند کر دیا کہ ان کو جانبدار کر دیا اور اس معاوضے میں تجارتی راستہ کھول دیا، یہ زبر

[49] حمید اللہ صدیقی، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص269

دست فتح تھی جو مسلمانوں کو ملی۔

مسلمانوں کے حالات کے مطابق سیاست دانی کا اقتضاء یہی ہو سکتا تھا کہ دونوں میں سے کسی ایک دشمن سے صلح کر لی جائے اور دوسرے کے مقابلے میں اس کو دوست یا طرفدار بنالیا جائے کہ دوسرا خود ہی ہتھیار ڈال دے اور مکہ سے صلح خیبر کے بجائے اس لیے کی گئی کہ مکہ مسلمانوں کے لیے رعایتوں کا متقاضی تھا۔ صلح حدیبیہ سفارتی سرگرمی کا پیش خیمہ تھی جو بعد میں فتح مکہ کی بنیاد بنی۔[50]

حضور ﷺ کی سیاست خارجہ کا بہت بڑا اصول اپنی دعوت کو وسیع کرنا تھا چنانچہ اس کے لیے آپ ﷺ نے دو طریقے اختیار فرمائے:

دعوتی خطوط

تبلیغ کی راہ میں حائل ہونے والوں کا انتظام

جس وقت نبی کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا، اس وقت حجاز میں قبائلی نظام تھا۔ جس میں مرکزیت کا تصور بھی نہ تھا۔ صرف دو پڑوسی سلطنتیں ایران اور روم تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے اندرون ملک کے استحکام کے بعد بیرون ملک دعوتی خطوط لکھنے شروع کیے۔ آپ کا طریق کار یہ تھا کہ اپنا خط ایک سفیر کو دے کر روانہ فرماتے اور مکتوب الیہ کے رد عمل کا انتظار کرتے۔

ان سفراء کے انتخاب میں نبی کریم ﷺ نے اہلیت و شخصیت کے ساتھ زبان دانی اور زبان آوری کا بھی خصوصی لحاظ رکھا۔[51] اس کے علاوہ خارجہ سیاست میں آپ نے تالیف قلبی کو بھی ملحوظ نظر رکھا اور زکواۃ کو تالیف قلبی کے لیے استعمال کیا۔ یہ رعایت اس لیے تھی کہ اسلام دل میں گھر کر لے گا تو جہاد بھی ہو گا اور زکواۃ کی ادائیگی بھی۔ غرض قرآن نے عملی سیاسیات کی جو اہم ودروس تعلیم دی اور حکمران کو جو صوابدید کا حق دیا وہ نبی کریم ﷺ میں پوری طرح نظر آتا ہے۔

آپ کی سیاست کا سب سے عظیم شاہکار فتح مکہ ہے جو آپ کی دس سالہ مدنی سیاست کا وہ عظیم نتیجہ تھا جس کی بنیاد صلح حدیبیہ کو بنایا گیا تھا۔ اس میں بھی تالیف قلبی کا پہلو تھا۔[52]

---

[50] حمید اللہ، داکٹر، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، مکتبہ اسلامیہ، لاہور، 2018ء، ص89

[51] محمد علی کرد، السلام والحضارۃ العربیۃ، ص100

[52] حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص261

نبی کریم ﷺ بطور سیاستدان وحکمران عظیم مقنن اور منتظم و مدبر و مدبر برتھے۔ تھے۔ آپ آرنے آنے والوں کے لیے قابل اتباع نمونہ عمل چھوڑا۔ آپ نے قرآن کی بیان کردہ سیاست کو عملی سیاست بنایااور آپ کے قائم کردہ اصول سیاست آج بھی اس معاشرہ کو اس عروج کی بلندی پر پہنچاسکتے ہیں۔

شریعت وحکومت کے امتزاج پر مبنی حکمرانی کی معاصر صورتیں

اسلامی شریعت اور ریاستی حکمرانی کا امتزاج وہ تصور ہے جو اسلامی تہذیب میں خلافت راشدہ کے بعد مختلف ادوار میں مختلف شکلوں میں موجود رہا۔ معاصر دنیا میں، جب قومی ریاستیں وجود میں آئی تو اسلامی شریعت اور جدید آئینی حکمرانی کے امتزاج کی کئی مثالیں سامنے آئیں، جن میں کسی نے شریعت کو محض "رہنمائی کا ذریعہ بنایا، تو کسی نے اسے دستور کی بنیاد۔ آج اسلامی دنیا میں کئی ایسی ریاستیں موجود ہیں جہاں شریعت کسی نہ کسی درجہ میں حکمرانی کے نظام کا حصہ ہے، چاہے وہ جزوی ہو یا مکمل۔ سب سے نمایاں مثال اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام ایک مخصوص نظریاتی بنیاد پر عمل میں آیا، جو "لا إله إلا الله محمد رسول الله " کے نعرے میں مجسم تھا۔ بر صغیر کے مسلمانوں نے ایک ایسی ریاست کا خواب دیکھا تھا جہاں اسلامی شریعت کے مطابق اجتماعی زندگی کی تشکیل ممکن ہو۔ قائد اعظم محمد علی جناح نے متعدد مواقع پر یہ واضح کیا کہ پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست بنے گا، جہاں قرآن وسنت کی روشنی میں قانون سازی کی جائے گی۔[53]

پاکستان کی ریاست نے شریعت اور حکومت کے امتزاج کی طرف آئینی اور ادارہ جاتی اقدامات کے ذریعے پیش رفت کی۔ آئین 1973ء اس سفر کا سنگ میل ہے، جس میں دفعہ 2 پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیتی ہے، اور دفعہ 227 کہتی ہے کہ تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق بنایا جائے گا، اور کوئی قانون قرآن وسنت کے خلاف نافذ نہیں کیا جائے گا۔[54]

اسی مقصد کے تحت آئین میں اسلامی نظریاتی کونسل (دفعہ 228) اور وفاقی شرعی عدالت (دفعہ 203) کا قیام عمل میں آیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل پارلیمنٹ کو شرعی سفارشات فراہم کرتی ہے، اور وفاقی شرعی عدالت کے پاس اختیار ہے کہ وہ کسی بھی قانون کو قرآن وسنت کے خلاف قرار دے کر کالعدم قرار دے سکتی ہے۔ یہ ادارے شریعت وحکومت کے امتزاج کی

[53] قائد اعظم کا خطاب، 11 اگست 1947 اور بعد ازاں آل انڈیا مسلم لیگ کنونشن، 1943

[54] دستور اسلامی جمہوریہ پاکستان، دفعہ 227

آئینی بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔

عملی سطح پر پاکستان میں کئی ایسے اقدامات کیے گئے جو ریاستی حکمرانی کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی کوششیں تھیں۔ مثلاً زکوۃ و عشر آرڈیننس 1980 کے تحت ایک قومی سطح کا زکوۃ کا نظام قائم کیا گیا جس سے بیت المال جیسا تصور سامنے آیا۔ حدود آرڈیننس 1979 کے تحت زنا، چوری، شراب نوشی، اور قذف جیسے جرائم کے لیے اسلامی سزائیں تجویز کی گئیں۔ سودی نظام کے خاتمے کے لیے کئی عدالتی فیصلے دیے گئے، جیسے وفاقی شرعی عدالت کا 1991 کا فیصلہ اور 2022 میں اسلامی بینکاری کی حمایت میں دیا گیا فیصلہ (FS Judgement on Riba 2022;P.L.D 1992FSC 1 Case)۔

شریعت کی روشنی میں خاندانی قوانین، وراثت، نکاح، طلاق، اور وقفیات جیسے کئی شعبے پہلے ہی اسلامی اصولوں کے مطابق چل رہے ہیں۔ مسلم فیملی لاز آرڈیننس 1961 میں شرعی اصلاحات شامل کی گئیں، جن میں وراثت کے حقوق، عورت کی رضامندی، اور تعدد ازدواج کے لیے شرائط کو قانونی شکل دی گئی۔

معاشی میدان میں اسلامی بینکاری کا شعبہ تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی رپورٹ کے مطابق 2023 تک ملک کی مجموعی بینکاری کا تقریبا 21 فیصد اسلامی بینکاری پر مشتمل تھا(SBP Islamic Banking 2023 Bulletin, Dec)۔ حکومت نے سکوک بانڈز، مضاربہ اور اجارہ جیسے شرعی مالیاتی ذرائع کو اپنایا ہے۔

سیاسی و پارلیمانی سطح پر بھی شریعت کو اہمیت دی گئی ہے۔ آئین کی شق 62-63 کے مطابق رکن اسمبلی کا صادق و امین ہونا لازم ہے، جو اسلامی اخلاقیات کی عکاسی کرتا ہے۔ پارلیمانی قانون سازی میں اکثر شریعت کے تناظر کو مد نظر رکھا جاتا ہے، جیسا کہ تحفظ ناموس رسالت قانون (CPPC-295) اور انسداد قادیانیت قوانین۔

تاہم، پاکستان میں شریعت اور حکومت کے امتزاج کو کئی چیلنجز کا سامنا ہے۔ ان میں سیاسی عدم استحکام، قانون کے نفاذ میں تاخیر، مذہبی و فقہی تنوع، اور عالمی دباؤ شامل ہیں۔ بعض حدود قوانین پر انسانی حقوق کے علمبردار اعتراضات کرتے ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کا عملاً قانون بن جانا بھی ہمیشہ ممکن نہیں ہو پایا۔

علماء اور دانشوروں کا کہنا ہے کہ پاکستان میں اسلامی قوانین کا اطلاق جزوی اور تدریجی رہا ہے، اور ایک مکمل اسلامی انظام حکومت کے قیام کے لیے اخلاقی انقلاب، تعلیمی اصلاحات، اور عدالتی خود مختاری ناگزیر ہیں۔

پاکستان میں اگرچہ شریعت و حکومت کے امتزاج کو کے امتزاج کو مکمل اور ہمہ گیر نہیں کہا جاسکتا، تاہم یہ کہنا بجا ہو گا کہ پاکستان اسلامی اصولوں پر مبنی پر مبنی حکمرانی کی سمت میں ایک مسلسل جد و جہد کر رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ

شریعت کے نفاذ کو محض علامتی یا جزوی نہ رکھا جائے بلکہ اسے عدل، اخلاق، تعلیم، معیشت اور سیاست کے ہر پہلو میں نافذ کر کے ایک حقیقی اسلامی فلاحی ریاست کی تشکیل کی جائے۔

اسلامی جمہوریہ ایران کی ریاست مکمل طور پر شریعت پر مبنی ایک انقلابی ماڈل پیش کرتی ہے۔ 1979 کے انقلاب کے بعد ایران میں ولایت فقیہ (Supreme Jurist's Guardianship) کے اصول پر مبنی حکومت قائم ہوئی، جس میں آئین کی رو سے شریعت نہ صرف قانون کا ماخذ ہے بلکہ فقیہ کی نگرانی میں سیاسی و عدالتی نظام بھی چلایا جاتا ہے (Iranian Constitution 1979, Articles 2 & 5)۔ ایران میں مجلس شورا (پارلیمنٹ) کے قوانین کی اسلامی کونسل نگہبان کے ذریعے جانچ پڑتال ہوتی ہے تاکہ وہ شریعت کے مطابق ہوں۔

سعودی عرب ایک اور مثال ہے، جہاں شریعت نہ صرف ریاست کا بنیادی قانونی ڈھانچہ ہے بلکہ مملکت کا نظام عدل مکمل طور پر حنبلی فقہ پر مبنی ہے۔ سعودی دستور (Basic Law of Governance) کی دفعہ 1 کے مطابق: "ریاست قرآن و سنت کو اپنا آئین تسلیم کرتی ہے"۔ وہاں شرعی عدالتیں، قاضی کا نظام، اور دیوان المظالم جیسی تنظیمیں موجود ہیں، جو حکومت درعایا کے درمیان معاملات کو شریعت کے مطابق حل کرتی ہیں۔

سوڈان کی ریاست میں 1983ء میں جنرل جعفر نمیری کے دور میں شریعت کے نفاذ کا اعلان ہوا، جس کے تحت حدود قوانین، اسلامی معیشت (بغیر سود بینکاری)، اور عدالتی نظام کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی گئی۔ بعد میں اگرچہ سیاسی اتار چڑھاؤ نے تسلسل کو متاثر کیا، لیکن سوڈان میں اسلامی قانون اب بھی کئی عدالتی معاملات میں لاگو ہوتا ہے (Woodward, Sudan after Nimeiri, 1991)

ملیشیا اور انڈونیشیا جیسے ممالک میں "dual legal system" پایا جاتا ہے، جس میں ایک طرف سول قانون (جو نوآبادیاتی ورثہ ہے) نافذ ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کے لیے خاندانی قوانین، نکاح، طلاق، وراثت اور عبادات کے بعض امور میں شریعت نافذ ہے۔ مثلاً، ملیشیا میں شریعت کورٹ ایک مستند ادارہ ہے جو مسلم شہریوں کے مذہبی و خاندانی تنازعات کا فیصلہ اسلامی اصولوں کے مطابق کرتا ہے۔(Hooker, Islamic Law in South-Estate Asia 1984)

نائیجیریا کی کئی شمالی ریاستوں نے 2000ء کے بعد شرعی نظام نافذ کیا، جس کے تحت اسلامی قوانین تعزیرات، نکاح و طلاق، اور مالی معاملات میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان ریاستوں میں شرعی عدالتیں بھی موجود ہیں، جیسے زامفارا، کادونا اور کانو۔ البتہ اس نظام پر مقامی و بین الاقوامی حلقوں کی جانب سے تنقید بھی ہوئی، خاص طور پر انسانی حقوق کے تناظر میں۔

افغانستان میں طالبان حکومت کی واپسی کے بعد، اسلامی امارت افغانستان نے اپنے نظام کو مکمل طور پر شریعت پر مبنی قرار دیا۔ وہاں فی الوقت کوئی تحریری آئین نہیں، بلکہ شریعت (بالخصوص فقہ حنفی) کو ریاستی قانون کا بنیادی ماخذ مانا گیا ہے۔ عدلیہ، تعلیم، اور میڈیا سمیت تمام اداروں کو اسلامی اصولوں کے تابع کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، حالانکہ اس پر عالمی سطح پر سخت تنقید بھی ہوتی ہے۔

ان کے علاوہ موریتانیہ، مالدیپ، برونائی اور قطر بھی ایسی ریاستیں ہیں جہاں یا تو شریعت آئینی سطح پر نافذ ہے، یا مخصوص قانونی شعبوں میں اس کی عمل داری قائم ہے۔ مثلاً برونائی میں 2014 میں شرعی فوجداری ضابطے (Syariah Penal Code) کا نفاذ ہوا جس میں حد، قصاص اور تعزیرات شامل ہیں۔

البتہ معاصر ریاستوں میں شریعت اور حکومت کا امتزاج مکمل طور پر یکساں نہیں۔ ہر ملک کا آئینی، تاریخی، فقہی اور سیاسی پس منظر مختلف ہے، اور اس کے تحت شریعت کا نفاذ بھی مختلف انداز سے ہوتا ہے۔ یہ امتزاج کئی جگہوں پر نظریاتی ہے، کچھ جگہوں پر آئینی، اور بعض صورتوں میں محض نمائشی۔

غیر نبوی مگر دینی اصولوں پر مبنی قیادت کا معاصر تصور

اسلام میں نبوت کا سلسلہ حضرت محمد صلی علیم پر ختم ہو چکا ہے اور اس کے بعد انسانیت کی قیادت کے لیے جو نظام رہ گیا، وہ خلافت، امامت، اور دینی اصولوں پر مبنی قیادت کے ماڈلز پر مشتمل ہے۔ چونکہ نبی کی غیر موجودگی میں براہ راست وحی کا تعلق نہیں ہوتا، اس لیے قیادت کی نوعیت "غیر نبوی" ہوتی ہے، مگر اس کا مقصد دین کے اصولوں کی روشنی میں عدل، شفافیت ،مشاورت، اور فلاح کا قیام ہوتا ہے۔ اس تصور کی بنیاد قرآن، سنت اور خلفائے راشدین کے طرز حکومت پر ہے۔

خلفائے راشدین کی حکومتیں نبوت کے بغیر، مگر دینی اصولوں پر مبنی قیادت کی روشن مثالیں ہیں۔ حضرت ابو بکر نے خلافت کے پہلے دن فرمایا کہ تمہارا سردار تم میں سب سے بہتر نہیں، لیکن اگر میں سیدھے راستے پر رہوں تو میری اطاعت کرو، اور اگر میں انحراف کروں تو مجھے سیدھا کر دو۔[55]

یہی ماڈل بعد کی اسلامی سیاسی فکر کا محرک بنا، اور امام ماوردی (وفات: 450ھ) نے اپنی کتاب "الاحکام السلطانیۃ" میں امام / خلیفہ کی دینی و سیاسی صفات کو بیان کیا۔ ان کے مطابق غیر نبوی قیادت کی ذمہ داری ہے کہ وہ شریعت کی نگہبانی، عدل کا قیام، اور حدود اللہ کا نفاذ کرے۔

[55] ابن جریر، الکامل فی التاریخ، ج3، ص486

معاصر اسلامی تحریکات جیسے اخوان المسلمون (مصر)، جماعت اسلامی (پاکستان)، اور PAS (ملائیشیا) نے اپنے منشور میں غیر نبوی دینی قیادت کا اصول اختیار کیا، جس میں رہنماؤں کے لیے تقویٰ، علم، عدل، مشاورت، اور عوامی فلاح ضروری قرار دی گئی۔

غیر نبوی مگر دینی اصولوں پر مبنی قیادت کا تصور ایک لچکدار، ہمہ گیر اور اجتہادی ماڈل ہے، جو نبوت کے بعد اسلامی نظام کی روح کو زندہ رکھتا ہے۔ اس قیادت کا معیار منصب نہیں، بلکہ سیرت، اہلیت، اور دینی شعور ہے۔ یہ ماڈل معاصر دنیامیں مختلف رنگوں میں موجود ہے، جو اسلامی اصولوں کو جدید ریاستی نظم میں ڈھالنے کی کامیاب کوشش ہے۔

خلاصۃ البحث

یہ تحقیق اسلامی شریعت اور ریاستی حکمرانی کے امتزاج کا تاریخی و معاصر تجزیہ پیش کرتی ہے جس میں سیدنا حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ کی قیادت کو مثالی طرز حکمرانی کے طور پر پیش کیا گیا ہے جن کی حکومت عدل، مشاورت، قربانی، اور اللہ کی رضا پر مبنی تھی۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں مواخات، میثاق مدینہ، اور عملی نظم حکومت قائم کر کے پہلی دینی ریاست کی بنیاد رکھی۔

معاصر مسلم ریاستوں جیسے پاکستان، ایران، سعودی عرب، سوڈان، افغانستان، ملیشیا وغیرہ میں شریعت کا مختلف انداز سے نفاذ کیا جارہا ہے۔ پاکستان میں آئین 1973، اسلامی نظریاتی کونسل، شرعی عدالت اور اسلامی بینکاری جیسے اقدامات کیے گئے، مگر چیلنجز بھی موجود ہیں۔ ایران میں ولایت فقیہ، سعودی عرب میں حنبلی فقہ، اور افغانستان میں فقہ حنفی کا اطلاق نمایاں ہے۔

یہ تحقیق ہمیں اس نتیجے پر پہنچاتی ہے کہ شریعت و حکومت کا امتزاج ممکن اور مؤثر ہے، بشرطیکہ قیادت دیانت، عدل اور اجتہاد پر مبنی ہو۔ خلافت راشدہ اور امام ماوردی جیسے مفکرین کا ماڈل، جدید اسلامی تحریکات کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔ معاصر اسلامی ریاست کو ایک اخلاقی و دینی معاشرہ بنانے کے لیے تعلیمی و عدالتی اصلاحات ناگزیر ہیں جو کہ پہلی اسلامی ریاست کے بنیادی خدو خال تھے۔